احمد صغیر صدیقی

یاقوت شہزادہ

طلسمِ ہوشربا کی ملکہ بدرآں کا اگر واقعی کوئی وجود ہوتا اور وہ تھوڑی سی عقل استعمال کر کے ابنِ صفی کی کتابیں پڑھتی تو یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ شہزادہ ایرج پر عاشق ہونے کی بجائے مملکتِ لوح و قلم کے اس بانکے شہزادے پر عاشق ہو جاتی

ابنِ صفی، پاک و ہند کے واحد قلم کار تھے، جنھوں نے تمام عمر صرف قلم سے روزی کمائی اور یہ اُس مُلک، اُس دَور کی بات ہے جب معاوضہ تو دُور کی بات تھی، اگر رسائل کسی قلم کار کو اعزازی کاپی ہی بھیج دیتے تو اُسے گراں قدر معاوضہ سمجھا جاتا تھا۔ مزے کی بات یہ تھی کہ یہ شخص کسی پبلسٹی گروپ سے وابستہ تھا نہ ادیبوں کی کسی انجمنِ ستائشِ باہمی سے اُس کا تعلق تھا... پھر بھی اسے وہ شہرت حاصل تھی جسے سچ مچ "عوامی" کہا جا سکتا ہے۔

ہمارے مُلک میں آج بھی ادیب اور قلم کار کا کوئی مقام نہیں۔ وہ رسائل جو قلم کاروں کی محنت سے لاکھوں رُوپے کما رہے ہیں، اُن کے ہاں آج بھی قلم کار ایک "مزدُور" سے زیادہ درجہ نہیں رکھتا۔ ایسے تاریک دَور میں ابنِ صفی کا کردار ایک ایسے چراغ کی طرح تھا جو طوفانِ برق و باراں سے بے نیاز ہو کر اپنے مقام پر لَو دیتا نظر آتا تھا۔

آج اُن کے بارے میں یہ سطور لکھتے ہُوئے مجھے یاد آتا ہے کہ میں اُس زمانے میں میٹرک کا طالبعلم تھا، جب ابنِ صفی نے اپنے ناول لکھنے شروع کیے تھے۔ ہمارے چھوٹے سے شہر میں اُس کی ایک ایک کاپی تبرّک کی حیثیت رکھتی تھی۔ ہم سب کام چھوڑ کر اُسے پڑھتے۔ دوسرے ساتھی منتظر ہوتے تھے کہ ایک پڑھ لے تو دوسرا لے جائے۔ کہاں ہندوستان کا ایک چھوٹا سا شہر اور کہاں پاکستان کا دوسرا بڑا شہر لاہور۔ یہاں آیا تو یہاں بھی ابنِ صفی کی دھوم تھی۔ نوکری کا متلاشی تھا، جیب خالی تھی مگر ایک لائبریرین سے دوستی ہو گئی۔ اُسی کے ہاں بیٹھے بیٹھے، اُن کی نئی کتاب پڑھ لیتا تھا۔ بس، یہی طلب اُدھر کشاں کشاں لے جاتی تھی اور لائبریرین کا شکریہ ادا کرتے زبان نہ تھکتی تھی۔

پھر بیس سال بعد وہ وقت بھی آیا جب میں خود ادب اور رسائل کی دُنیا سے وابستہ ہُوا۔ مشتاق احمد قریشی سے ملاقات ہُوئی جو ابنِ صفی سے قریب تھے۔ اُنھی دنوں میرا ایک شعری مجموعہ "سمندر آنکھیں" چھپا۔ میں نے اسے خود اپنی رقم سے شوق پُورا کرنے کے لیے چھپوایا تھا، صرف تین سو کاپیاں۔ اُسے غریب کی لڑکی کا سا مقام ہی حاصل تھا... نہ رُونمائی ہُوئی، نہ ریڈیو، ٹی وی پر شور و غوغا مچا، نہ اخباروں میں مضامین آئے، دوستوں اور شعر شناسوں کو دے دیا تھا۔ مشتاق صاحب کو بھی ایک کاپی یہ کہہ کر دی کہ ابنِ صفی صاحب کو دے دیجیے گا۔ وہ ان دنوں بیمار تھے لہٰذا انھیں ڈسٹرب نہیں کیا تھا۔

کچھ عرصے بعد، ایک روز مشتاق صاحب ملے، باتوں باتوں میں بتایا۔ "ابنِ صفی صاحب کو آپ کا مجموعۂ کلام دیا تھا۔ شاید انھوں

نے پڑھا تھا، آج کہہ رہے تھے کہ تم نے جو شعری مجموعہ دیا ہے، پسند آیا۔ اچھی شاعری ملی، اس میں۔"

سُن کر دل خوش ہُوا۔ میں نے قریشی صاحب سے کہا۔

"اُن سے کچھ سطور لکھوا دیں۔"

افسوس کہ وہ پھر مزید بیمار ہو گئے اور بالآخر ہم سے جُدا ہو گئے...

ابنِ صفی کی رائے میرے لیے آج بھی خوشی کا باعث بنتی رہتی ہے۔ گو کہ میری شاعری کا حال آج بھی وہی ہے جو جاڑے کی چاندنی کا ہوتا ہے۔ یہاں اپنا ہی شعر لکھوں گا ؎

دل اپنی کوششوں پہ پشیمان ہے بہت
خوابوں کے کاروبار میں نقصان ہے بہت

بہرحال، میں دوبارہ ابنِ صفی صاحب کی طرف لوٹتا ہوں۔ اس وقت بات شعری مجموعے کی چل پڑی تھی۔ آپ تو جانتے ہیں کہ بعض باتیں شعری قالب ہی میں جچتی ہیں، بعض کو نثری نظم کا جامہ پہنایا جاتا ہے کہ شاید انھیں کہنے کے لیے وہی جامہ زیب دیتا ہے۔ ابنِ صفی کی ناول نویسی اور اُن کی جاسُوسی کہانیاں، اُن کی شاعری اور اُن کی طنز نگاری، سب کو ایک طرف رکھ دیجئے تو بھی صرف اُن کے جُملے بھی ویسا ہی لُطف دیتے ہیں جو آپ کو خلیل جبران کے ہاں شاید ہی مل سکے۔ (شاید! کیونکہ اس کا جامہ اور ہے)

اس سے قبل کہ اُن جُملوں کی نشاندہی کروں جو سمجھ دار قاری کو سرشاری کی کیفیت بخشتے ہیں، میں اُن کے ایک مضمون "میں نے لکھنا کیسے شروع کیا؟" سے چند سطور درج کروں گا۔ کہتے ہیں۔

"مجھے اُس وقت بڑی ہنسی آتی ہے جب آرٹ اور ثقافت کے علم بردار یہ کہتے ہیں کہ میں ادب کی بھی کوئی خدمت کروں۔ اُن کی دانست میں شاید میں جھک مار رہا ہوں۔ حیات و کائنات کا کون سا مسئلہ ہے جو میں نے اپنی کسی کتاب میں نہ چھیڑا ہو لیکن میرا طریقِ کار ہمیشہ عام روش سے الگ تھلگ رہا ہے۔"

میں آج اُن کے اسی طریقۂ کار کی جانب آپ کی توجّہ مبذول کراؤں گا۔ ذرا توجّہ سے دیکھیں، میں نے یہاں اُن کی ایک کتاب ایسے ہی کسی مخصوص سوچ کے بغیر اُٹھائی ہے اور اس سے اقتباس لکھ رہا ہوں۔ دیکھئے، کیسی کیسی پُرمغز باتیں کس انداز میں لکھ دی ہیں۔ انھیں لکھنے کے لیے کسی اور لب و لہجے کو بھی اختیار کیا جا سکتا تھا لیکن پھر فرق ہی کیا رہ جاتا اُس "ادبی شخصیت" میں اور اُن میں جو اپنے افسانوں میں کہانی کو چھوڑ کر "بقراطیت" بگھارتے صفحے کے صفحے کالے کر دیتے ہیں اور اسی کو ادب کی خدمت سمجھا جاتا ہے، خواہ کسی کی سمجھ میں یہ باتیں آئیں یا نہ آئیں۔ جی تو چاہتا تھا کہ ایسے "بے معنی جُملے" بھی لکھے جاتے تاکہ ابنِ صفی کے بیان سے اُن کا تقابل کیا جا سکتا لیکن یہاں مقصود کسی کی ہنسی اُڑانا نہیں، لہٰذا چھوڑیے اور ان خوبصورت جُملوں کو پڑھیے جو ابنِ صفی کے قلم سے نکلے ہیں اور جن کے اندر کم لفظوں میں اتنی بہت سی باتیں بکھری ہُوئی ہیں جنھیں اور طرح لکھا جاتا تو کئی صفحے بھی شاید کافی نہ ہوتے۔

▼▼

"کیا تم واقعی بھکاری ہو؟" صفدر جنگ نے پوچھا۔

"لاحول ولاقوۃ۔" نوجوان نے بُرا سا مُنہ بنا کر کہا۔

"پھر...؟" صفدر جنگ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اگر بھوکا ہونے کا مطلب بھکاری ہوتا ہے تو ہم سب رات کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی طرح سوتے ہیں اور صبح کو بھکاری اُٹھتے ہیں۔"

*

"سرکار!" عمران ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ "پوری بات سُن لیجئے۔ جو کچھ کہہ رہا ہوں، اُس کے لیے دلائل بھی رکھتا ہوں۔"

"بکو... لیکن اگر مطمئن نہ کر سکے تو کھال کھنچوا لوں گا۔"

"میری کھال کے زنانہ سینڈل نہایت سُبک رفتار ہوں گے لیکن خیر، ہاں تو میں..."

*

"کوئی حسین سا گیت گاؤ۔" اور پھر خود ہی گانے لگا۔ جوش کی ایک رومانی نظم... پھر نظم ادھوری چھوڑ کر بولا۔ "ایسی حسین نظمیں لکھی ہیں، اس ظالم نے کہ بعض اوقات ورڈس ورتھ کو بھی جھکائی دے گیا ہے... مگر اب آج کل عقل و دانش کے پتھر چبا رہا ہے۔"

*

"ابھی صفدر جنگ سے گالیاں کھا کر آ رہا ہوں۔"

"میں اُس کی لاش سڑکوں پر گھسٹواؤں گی۔" رانی ساجدہ نگر کو غصّہ آ گیا۔

"ہرگز نہیں۔" کُبڑے نے نرم لہجے میں کہا۔ "اگر وہ کمینہ ہے تو ہم اپنی سطح سے کیوں اُتریں؟ آدمیت بڑی چیز ہے، ڈارلنگ! اب مجھے دیکھو، میں اپنی آدمیت برقرار رکھنے کے لیے ہر طرف جُوتے کھاتا پھرتا ہوں۔ وہ مجھے ذلیل کرتے ہیں اور میں انھیں اُلٹ کر کچھ بھی نہیں کہتا۔"

"تم گدھے ہو۔" رانی دانت پیس کر بولی۔

"اس سے بھی زیادہ اونچی چیز۔" کُبڑے نے سنجیدگی سے کہا۔

▼▼

"خُدا بھلا کرے، فیض صاحب کا کہ اُنھوں نے اپنے بعد

پھر کوئی اوریجنل شاعر پیدا ہی نہیں ہونے دیا۔"

"اچھا..." شاعر صاحب نے جھلّا کر کہا۔ "سردار جعفری کے بارے میں کیا کہتے ہو؟"

"پتھر توڑتے ہیں۔"

*

"... بہت سمجھ دار اور نیک لڑکی ہو اور بہت سمجھ دار اور نیک لڑکیاں برباد ہو جایا کرتی ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب ہی تو سمجھ میں نہیں آتا۔" عمران نے مغموم لہجے میں کہا۔ "ورنہ پڑھنا کیوں چھوڑتا؟ وہ امتحان میں پوچھتے تھے کہ عادِ اعظم مشترک کسے کہتے ہیں اور میں سکندرِ اعظم کی سسرال کے حالات لکھ دیا کرتا تھا۔"

*

عمران اب مغلوبوں کے شکاری تھیلوں سے گوشت کے تلے ہوئے پارچے نکال رہا تھا۔

"خدا کا شکر ہے۔" نینا نے بڑے خلوص سے کہا۔

"ہاں ہاں... دوسروں کو لوٹ لوٹ کر کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو۔" عمران نے سر ہلا کر کہا۔

*

"قدرت نے اس قدر حرامی پن عطا کیا ہے مجھے کہ واہ... واہ!"

*

شراب کی ٹرالی آئی تو رانی اٹھی ہی تھی کہ کبڑے نے کہا...

"نہیں، تم اپنے ہاتھ نجس نہ کرو، نماز پڑھتی ہو۔"

"تم بھی پڑھا کرو، ڈارلنگ!"

"اتنا زیادہ نشہ کبھی نہیں ہوتا کہ جھونک میں آکر نماز پڑھنے لگوں۔"

*

"لیکن، تم اپنے باس کو کچھ نہیں بتاؤ گی، اچھی لڑکی!"

"نہیں بتاؤں گی مگر..."

"کچھ نہیں۔ ایسا کر کے تم ملک و قوم کے لیے بھی ایک بڑا کارنامہ انجام دو گی۔ عورتیں پیٹ کی ہلکی ہوتی ہیں نا، اس لیے اتنی سی بات کو بھی کارنامہ ہی کہنا پڑے گا۔"

*

"کیا زمانہ تھا... وہ امتحان کے پرچے آؤٹ کر لیتا تھا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی تھی۔"

عمران نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ "اُن کی نہ کہیے، وہ تو میرا پرچا بھی آؤٹ ہی کر دینا چاہتے تھے، اللہ نے بڑی خیر کی۔"

"کیا مطلب؟" صفدر جنگ نے گھور کر پوچھا۔

"جی وہ میری شادی کر دینا چاہتے تھے۔"

*

"کیا موقع تھا، اس بات کا؟" نینا جھلّا گئی۔

"اب موقع کا انتظار کون کرتا پھرے۔ یہاں تو جب بھی جو بھی ذہن میں آیا، الفاظ میں ڈھل گیا۔"

*

یہ ایک کتاب "ڈیڑھ متوالے" سے چند اقتباسات تھے۔ میں اُن کی ساری کتابوں سے ایسے ہزاروں اقتباسات کوڈ کر سکتا ہوں جو اپنے اندر معانی کا سمندر رکھتے ہیں۔ ابنِ صفی نے اپنے مضمون "میں نے لکھنا کیسے شروع کیا" میں لکھا ہے۔

"ہماری سوسائٹی کے ایک بہت بڑے حصّے کے لیے اعلیٰ ترین افسانوی ادب بے معنی ہے۔ تو پھر میں گنے چنے لوگوں کے لیے کیوں لکھوں؟ میں اُسی انداز میں کیوں نہ لکھوں جسے زیادہ پسند کیا جاتا ہو۔ شاید اسی بہانے عوام تک کچھ اونچی باتیں بھی پہنچ جائیں۔"

وہ لکھتے ہیں۔ "میرا مشن ہے کہ آدمی قانون کا احترام سیکھے... اور جاسوسی ناول کی راہ میں نے اسی لیے منتخب کی تھی کہ تھکے ہارے ذہنوں کو تفریح بھی مہیا کرتا رہوں اور اُنھیں قانون کا احترام بھی سکھاتا رہوں۔ فریدی میرا آئیڈیل ہے جو خود بھی قانون کا احترام کرتا ہے اور دوسروں سے قانون کا احترام کرانے کے لیے اپنی زندگی داؤ پر لگا دیتا ہے۔"

قلم کے اس شہزادے کے محاسن ایسے نہیں کہ اُنھیں ایک آدھ مضامین کے ذریعے بیان کیا جا سکے۔ بہرحال زندگی رہی اور موقع ملا تو ابنِ صفی کی شخصیت کے اُس رُخ پر بھی لکھوں گا جس میں وہ ایک بڑے طنز نگار کے روپ میں دکھائی دیتے ہیں۔ ویسا طنز آپ کو اپنے ادب میں خال خال ہی ملے گا۔ چلتے چلتے، اُن کے قلم کا ایک شوشا اور پڑھ لیں۔

"سات آٹھ سال کی عمر میں طلسمِ ہوش رُبا کی ساتوں جلدیں پڑھ ڈالی تھیں۔ پتا نہیں کیوں، چالاک ابنِ عمرو مجھے کچھ مولوی مولوی جیسا لگتا تھا اور اسی سات آٹھ سال کی عمر میں یہ بھی سوچتا تھا کہ کاش، ملکہ برّاں شمشیر زن، شہزادہ ایرج پر عاشق ہونے کی بجائے مجھ پر عاشق ہو جاتی۔"

مجھے یقین ہے کہ ملکہ برّاں اگر واقعی ہوتی، اس کے دماغ میں تھوڑی سی بھی عقل ہوتی اور اگر وہ اُن کی کتابیں پڑھتی تو یقیناً وہ اُن کے فن پر ضرور عاشق ہو جاتی کہ وہ مملکتِ لوح و قلم کا ایک ایسا ہی بانکا شہزادہ تھا۔

■